کہ عورت کی دیت نصف ہے"۔

(تفسیر قرطبی ص ۳۲۵، جلد ۵ بدایۃ المجتہد ص ۳۲۵، جلد ۲

حنبلی مسلک کے مشہور امام اور مصلح ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے: وقد جاءت الشریعۃ بھذا التفضیل فی جعل الذکر کالانثیین فی الشھادۃ والمیراث والدیۃ

(ترجمہ) شریعت نے یہ بات طے کر دی ہے کہ شہادت، وراثت اور دیت میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔

ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۳، باب مدینۃ فی الذبائح — موصوف اپنی دوسری کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ: "وقضی صلی اللہ علیہ وسلم ان عقل المرأۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتھا" (ذکرہ مسلم)۔ (ترجمہ) عورت کی دیت ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے۔ (اس سے زائد پر نصف ہوگی)۔

(اعلام الموقعین ص ۴۶ - باب: فتاوی امام المفتین جلد ۳، ۴)

دِیت کے بارے میں چند شبہات اور ان کا جواب

بعض محققین نے دیت کو قصاص کا بدل قرار دیا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب قصاص میں مساوات ہے تو دیت میں بھی مساوات ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دیت انسانی جان کی قیمت نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ جان اور خون تو مرد اور عورت دونوں کا یکساں ہے اور قابلِ احترام ہے، بلکہ جان تو مسلمان اور ذمی (غیر مسلم اقلیت) کی بھی یکساں طور پر واجب الاحترام ہے۔ قصاص چونکہ جان کے بدلے جان لینے کا نام ہے اس لیے عورت کی جان کے بدلے میں مرد کی جان لی جاتی ہے اور ذمی کی جان کے بدلے میں مسلمان سے بھی قصاص لیا جاتا ہے اور غلام کی جان کے بدلے میں

آزاد سے بھی قصاص لیا جاتا ہے۔ قتل عمد کی صورت میں تو مرد اور عورت دونوں کی وہی دیت ہوگی جس پر فریقین نے صلح کی ہو۔ کیونکہ قتل عمد کی صورت میں مقتول کے وارثوں کا اصل حق قصاص لینا ہے اور دیت اس صورت میں قصاص کا بدل ہے اور وارثوں کو معاف کرنے کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور بدلِ صلح کے عوض میں راضی نامے کا اختیار بھی دیا گیا ہے اور بدلِ صلح وہی ہو سکتا ہے جس پر فریقین متفق ہوں لیکن قتلِ خطا اور قتلِ شبہ عمد میں سرے سے قصاص لیا جاتا ہی نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ دیت قصاص اور انسانی خون کا معاوضہ ہے۔ یہ تو پس ماندگان کی معاشی کفالت کا ایک قانونی اور اجتماعی نظام ہے اور اس نقصان کی کسی حد تک تلافی ہے جو خاندان کے کمانے والے یا بعد میں کمانے کے لائق بننے والے فرد کی موت سے اس کو پہنچتا ہے۔

عورت کی قوتِ کار اور کمانے کی صلاحیت چونکہ مرد کے مقابلے میں کم ہے اور جو کماتی ہیں یا بعض اوقات بعض عورتیں مردوں سے زیادہ بھی کماتی ہیں[1] تو وہ ان کا رضاکارانہ عمل ہے ورنہ ان پر معاشی کفالت کی ذمہ داری ڈالی نہیں گئی۔ اس لیے عورت کے قتل سے اس کے وارثوں کو صدمہ تو یقیناً پہنچتا ہے اور گھریلو پریشانیاں بھی لاحق ہوتی ہیں لیکن کوئی خاص معاشی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے عورت کی دیت نصف مقرر کی گئی ہے۔ جو تھوڑا بہت نقصان ہوا ہے اس کی تلافی نصف دیت سے بھی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو میراث بھی مرد کے مقابلے میں نصف دی جاتی ہے۔ فقہا کرام نے عورت کی دیت کے نصف ہونے کی یہی حکمت اور عقلی توجیہہ فرمائی ہے۔ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] قانون کا تعلق عموماً اور کثیر الوقوع حالات سے ہوتا ہے، اختصاصی سے نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک مقتول مرد بہت کم کمانے والا یا سرے سے بے روزگار یا معذور ہو۔ اسی طرح کوئی عورت اگر کماتی ہے اور ان میں سے کوئی بہت زیادہ بھی کماتی ہے تو قانون ایسی چند مستثنیٰ صورتوں کے نہیں ہے۔ پیش نظر تو ۹۵ فی صد عورتوں کو رکھنا چاہیے۔ (ن ر ص)

ولان حالها انقص من حال الرجل و منفعتها اقل (هداية كتاب الديات) (ترجمہ) یعنی عورتوں کی قوت کار اور اس کی منفعت مرد سے بہت کم ہے۔

علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی یہی عقلی توجیہہ کی ہے۔ (تفسیر المنار ص ۳۳۵ جلد ۵)

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی عورت قتل کر دی جائے تو اس کی دیت (جو مرد کی دیت سے نصف ہوگی) کے حقدار اس کے ورثا ہوں گے یعنی اس کا خاوند یا باپ اور اس کی اولاد وغیرہ۔ اس طرح نصف دیت ملنے کا نقصان عورت کو تو نہیں اس کے ورثا کو ہوگا، جن میں مرد بھی ہو سکتے ہیں اور عورتیں بھی۔ مرد مقتول کی دیت اگر عورت سے دوگنا ہے تو اس کا فائدہ مقتول کی بیوہ کو بھی پہنچے گا۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو دیت کے مسئلے پر عورتوں کی حق تلفی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس پر اس قدر شور مچایا جائے[1]

یہ تو ان لوگوں کی غلط بیانی یا غلط فہمی کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ دیت جان اور خون کی قیمت کا بدل ہے۔ حالانکہ یہ بادلیت قتل عمد میں ہے شبہ عمد اور قتل خطا میں نہیں اور عمد میں بھی دیت بدل قصاص نہیں بلکہ حق دیت، حق قصاص کا بدل ہے ایسا نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ دیت انسانی جان کی قیمت ہے اور یہ احترام انسانیت کے منافی ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں دیت کے قانون سے عورت کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا بلکہ مطلق مومن کے قتل خطاء کی دیت کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن مقام غور یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۲ میں سرے سے دیت کی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا اور زیر بحث مسئلہ عورت کی دیت کی مقدار کا ہے۔ آخر یہ کس نے کہا ہے کہ عورت کے قتل پر دیت واجب ہی نہیں ہے؟ دیت تو ہر معصوم الدم نفس کے قتل خطا یا قتلِ شبہ عمد پر واجب ہے، خواہ

[1] شاید ماڈرن عورت اتنی گہری سوچ بچار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (لسنہ رص)

مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا غیر مسلم شہری۔ اصل بحث عورت کی دیت کی مقدار میں ہے اور اس بارے میں قرآن میں تفصیل موجود نہیں ہے بلکہ احادیث رسول میں ہے۔

بعض حضرات نے عورت اور مرد کی دیت کے مساوی ہونے کے لیے اس حدیث کو دلیل بنایا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

فی النفس المومنۃ مائۃ من الابل" یعنی (نفس مومن کے بدلے میں سو اونٹ دیئے جائیں گے)۔

یہ حدیث بالکل صحیح اور معروف و متداول حدیث ہے لیکن اس میں دوسری حدیث رسولؐ نے تخصیص کر دی ہے اور ایک حدیث کی تخصیص و تفسیر دوسری احادیث سے جائز ہے۔ جب دوسری حدیث اور اجماع صحابہ میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف بتائی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ سو اونٹوں والی حدیث میں رسول اللہ کی مراد مرد کی دیت بیان کرنا تھی۔ قرآن و حدیث کا علم رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ کسی آیت یا حدیث میں صیغۂ عام یا مطلق و غیر مقید الفاظ میں کوئی قانون بیان ہوا ہے اور دوسری آیت یا احادیث نے اس میں تخصیص کر دی ہے مثلاً سورۃ النور میں زانی اور زانیہ کی سزا سو کوڑے مقرر کی گئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم قرآن اور اللہ کے مستند اور واجب الاطاعت نمائندے کی حیثیت سے امت کو بتا دیا ہے کہ اس آیت میں "غیر محصن" زانی مراد ہے۔

بعض حضرات نے امام طحاوی رحمۃ اللہ، ابوالولید باجی رحمۃ اللہ اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ یہ حضرات بھی مرد اور عورت کی مساوات کے قائل تھے حالانکہ انہوں نے المسلمون تتکافؤ دماءھم کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مضمون کی وضاحت کی ہے اور ان کی مراد دیت کے وجوب و لزوم میں مساوات ہے۔ مقدارِ دیت میں مساوات مراد نہیں ہے اور نفسِ دیت میں برابری تو خود قرآن کی آیت سے ثابت ہے۔ آج تک کسی اہل علم نے ان کا مسلک یہ بیان نہیں کیا ہے کہ ان کے نزدیک مرد اور عورت کی دیتِ قتل مساوی ہے، نہ ہی کسی جگہ سے یہ تصریح پیش کی جا سکتی ہے کہ ان

کا مسلک یہ ہے۔ اس کے برعکس تصریحات موجود ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک مرد اور عورت کی دیت میں مساوات نہیں بلکہ عورت کی دیت نصف ہے۔ خدا جانے کہ ان لوگوں کے اندر یا تو کلام فہمی اور کتاب فہمی کی استعداد موجود نہیں ہے یا پھر ان کو تحریفِ کلام کا تجربہ اور مہارت حاصل ہے جو حق پرستوں کی شان نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ابن علیۃ اور الاصم رح کے قول کو بھی اچھالا جا رہا ہے کہ یہ دونوں مقدار دیت میں مرد اور عورت کے مساوی ہونے کے قائل تھے۔

قطع نظر اس کے کہ ان حضرات کا یہ قول کسی مستند کتاب میں صحیح اسناد کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوا۔ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے حکی غیرہما والے غیر ابن المنذر وابن عبدالبر کے لفظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ شاذ اور غیر منقول و غیر متداول قول ہے، جو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور سنتِ رسول ؐ کے مخالف ہے۔ (المغنی ص ۴۰۲، جلد ۸)

صحابہ رض، تابعین رح، تبع تابعین اور فقہاء اسلام میں سے سوائے ابن علیہ اور الاصم کے ہمیں کافی تلاش و جستجو کے باوجود کسی کا بھی یہ قول نہیں مل سکا کہ عورت کی دیت مرد کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے چودہ صد سالہ تعامل و تواتر کے مقابلے میں اس قسم کے شاذ اقوال تلاش کرنا اور پھر ان کو دلیل بنانا مریضِ ذہن کی علامت ہے۔

پھر ذرا یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ ان دو حضرات کی حیثیت کیا ہے؟ تاکہ مسئلہ میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ ۱۔ ابوبکر اصم ۲۔ اسماعیل ابن عُلَیّہ۔ ان دو میں سے یہ اصم جس کا اصل نام عبدالرحمٰن بن کیسان ہے اس کے متعلق لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۴۲۷ میں لکھا ہے کہ وہ معتزلی تھے اور اس کا ذکر معتزلہ کے طبقات میں کیا جا رہا ہے اور اس نے جو تفسیر لکھی تھی اس کے بارے میں کہا ہے کہ تفسیر عجیب، اور اس کے شاگردوں میں اسماعیل بن علیہ کا بیٹا ابراہیم تھا جو جہمی ہے اور خلقِ قرآن کا قائل ہے۔ امام شافعی رح نے اس کے بارے میں یہ قول لکھا ہے: "ھو ضال اَضَلّ الناس"۔ اور اس کے اقوال اہل سنت کے ہاں متروک ہیں اور لسان المیزان میں اس کے بارے میں بہت سے اقوال ایسے منقول ہیں کہ وہ ایک بدعقیدہ شخص تھا اور غالباً اس شاگرد نے اس قسم کے اثرات اسی اصم سے

رہے تھے ، اس لیے ابوبکر اصم کا کوئی قول پوری امت کے اجماع کے خلاف بالکل قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

۲۔ شخص اسماعیل بن علیہ اگرچہ قابلِ اعتماد رواۃ حدیث میں سے ہیں لیکن اس کو فقہا مجتہدین میں شمار نہیں کیا گیا۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے روایت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن علیہ کے نام سے جو یہ روایت دیت کی منقول ہے کہ وہ پوری دیت کے قائل تھے تو وہ اسماعیل بن علیہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا بیٹا ابراہیم ہوگا۔ کیونکہ اس کو بھی ابن عُلَیّہ کہا جاتا ہے اور اس کے بارے میں لسان المیزان کے حوالے سے ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک بدعقیدہ شخص تھا اور علماء مجتہدین کے ہاں بالکل ناقابلِ اعتبار ہے۔ ہم یہ جو کہتے ہیں کہ ابن علیہ سے مراد اسماعیل بن علیہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام شافعیؒ کے استاد ہیں اور امام شافعی کتاب الاُم میں یوں فرماتے ہیں " کہ مجھے اہل علم میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں، نہ پہلے علماء میں سے اور نہ بعد کے علماء میں سے کہ اس نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہو اور اگر ان کے استاد اسماعیل بن علیہ اس کے قائل ہوتے تو وہ ایسے جامع ترد یدی الفاظ استعمال نہ کرتے۔ خواہ ان کی ذاتی رائے نہ ہو پھر بھی وہ یہ تو لکھتے کہ اسماعیل بن علیہ کا قول دوسرا ہے۔ پس اصل صورتِ حال یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین شیعہ حضرات اور زیدی وغیرہ سب کا بالاتفاق ، بالاجماع فیصلہ یہ ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔ اور جو لوگ اس حدیث کے راویوں پر کچھ جرح کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے تو اصولاً یہ بات بالکل غلط ہے ، کیونکہ یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ جس روایت سے ائمہ مجتہدین استدلال کرتے ہیں اور حکم ثابت کرتے ہیں اسے بہرحال قوی قرار دیا جاتا ہے۔ کسی روایت کو ائمہ کا مدارِ استدلال بنانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ائمہ نے اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ اجماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک روایت جو فی نفسہٖ خبرِ واحد ہونے کی حیثیت سے اصولِ حدیث کے مطابق ظنی ہوتی ہے ، جب اس کے مضمون پر اجماع[1] ہو جائے تو اجماع اس

---

[1] کیونکہ دوسرے کئی عوامل وحقائق مثلاً اس کے مطابق قرون اولیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کو بالکل قطعی بنا دیتا ہے۔

اہلِ علم ان ساری باتوں کو جانتے ہیں مگر مصیبت یہ ہے کہ واسطہ ان لوگوں سے پڑا ہے کہ جو قرآن کی کوئی آیت صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے، حدیث اور اصولِ حدیث، فقہ اور اُصول فقہ تو بہت دُور کی باتیں ہیں۔ مگر اس جہالت کے باوجود ان کا زعم یہ ہے کہ ہم تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے بڑھ کر قرآن و حدیث کو جاننے والے مجتہدین ہیں، اور آپ دیکھیں کہ خالد اسحاق صاحب کے مضمون میں اسی قسم کا اجتہاد ہے اور اس نے اس اجماع کو بھی اپنے خیال میں ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت کی نصف دیت کا ذکر حدیث کی معروف کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ اعتراض اُٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو بالعموم حدیث کے علم سے کورے ہیں اور محدثین کے کام اور اُن کی اصطلاحات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہم اُوپر جو حوالے نقل کر چکے ہیں کیا وہ معروف کتبِ حدیث نہیں ہیں۔ ان میں نسائی صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔ موطا امام مالک بھی اپنی روایات سند کے مرتبے کے لحاظ سے صحاح ستہ میں شمار کی گئی ہے۔ بلکہ یہ وہ کتاب ہے، جسے خلیفہ ابوجعفر منصور پوری اسلامی سلطنت کے قانون کے طور پر نافذ کرنا چاہتا تھا لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مسالک کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اس کام سے روک دیا۔

بیہقی کی روایت کے بعض طرق کو اصطلاحاً ضعیف کہنے سے تمام طرق پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جہاں تک نسائی کی روایت کا تعلق ہے تو وہ سند و متن دونوں لحاظ سے صحیح قرار دی گئی ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں، صححہٗ ابن خزیمۃ (یعنی مشہور ناقدِ حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور دَورِ خلافت میں سنتِ مسلسل کا عملاً جاری ہونا یا اصول استنباطِ احکام کے لیے نہایت جامع چار متداول فقیہوں کے ائمہ اوّلین سے لے کر آخری علماء تک اس پر متفق رہنا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی خبرِ واحد کو ظنیت کے مقام سے نکال کر حتمیت کے مقام پر لے آتی ہیں۔ (ن-ص)

ابن خزیمہ نے اُسے صحیح قرار دیا ہے) (نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۲۵)۔ اسی طرح مصری عالم سید سابق نے بھی اپنی کتاب فقہ السنہ میں ابن خزیمہ کی تصحیح کا ذکر کیا ہے۔ (جلد ۲ ص ۴۷۶)۔

اس بات کو بھی بڑے زور و شور سے اچھالا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی کچھ روایات ایسی ہیں جن میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہے۔ اس کا جواب بھی ان صریح عبارات میں موجود ہے جو اس سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں، بالخصوص امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ میرے علم میں قدیم اہل علم میں سے کوئی بھی عورت کی دیت کی مرد کی دیت کے ساتھ برابری کا قائل نہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جملہ فقہاء جو امام شافعیؒ کے دور اور ان سے پہلے کے ادوار میں گزرے ہیں، ان کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

ایک اور بات جسے وزنی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے، حالانکہ ان لوگوں کو اگر اصول فقہ کا ذرہ بھی علم ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ اجماع سکوتی کو امام شافعی اجماع کا نام نہیں دیتے اور بطور حجت نہیں پیش کرتے، اور امام شافعیؒ ہی وہ شخصیت ہیں جو اجماع سکوتی کے مخالفین میں پیش پیش ہیں۔ لیکن یہاں امام شافعی عورت کی دیت پر اجماع کا ذکر کرتے ہیں، اور حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس اجماع کی حیثیت اجماعِ سکوتی کی نہیں ہے، بلکہ حقیقی اجماع کی ہے۔ پھر جب اجماعِ سکوتی کے ساتھ تعامل اُمت شامل ہو جائے تو اس کی حجیت میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا۔

ہم ان مدعیانِ اجتہاد سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے، بلکہ کھلا ہے۔ ظاہر ہے کہ علمی تحقیق اور غور و فکر کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اجتہاد ان جدید مسائل میں ہونا چاہیے جن کے بارے میں اجماع موجود نہ ہو اور وہ منصوص بھی نہ ہوں یا ائمہ فقہ کے درمیان اختلافی مسائل میں کسی رائے کو ترجیح دینے کا مسئلہ ہو تو اجتہاد کے ذریعے یہ کام کیا جا سکتا ہے، لیکن عورت کی دیت کا نصف ہونا تو احادیث

آثار اور اجماع سے ثابت ہے، اور چودہ سو سال تک اُمت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے۔ اس متفق علیہ اور واضح مسئلے کے خلاف خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص نہ کوئی قانون بنا سکتا ہے اور نہ ایسی قانون سازی کی حمایت کر سکتا ہے، اگر کوئی فرد یا ادارہ یا گروہ ایسا کرے تو ظاہر ہے کہ وہ عنداللہ مجرم ہے۔

آخر میں دیت کمیٹی، ماضی کے بعض فقہا اور بعض جدید علمائے اسلام کے خیالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ رائے دیتی ہے کہ جہاں تک شرعی حیثیت سے عورت کی دیت کا مسئلہ ہے وہ تو نصف ہوگی، اس میں کسی قسم کا اضافہ و ترمیم کمیٹی کی نظر میں شریعت اسلامی میں تحریف کے مترادف ہوگا، البتہ جدید حالات و ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے کمیٹی کے نزدیک اس بارے میں کوئی حرج نہیں کہ عورت کے قتل خطا اور شبہ عمد کے معاملے پر غور کرتے ہوئے قاضی خاص خاص مقدمات اور ان کے احوال کے لحاظ سے اگر مناسب سمجھے تو قتل کے مرتکب کو نصف دیت کے ساتھ ساتھ مزید تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے اور یہ سزا مالی بھی ہو سکتی ہے اور بدنی بھی۔

اب لیجیے، اسی مغالطہ انگیزی کو کہ امام طحاوی، ابوالولید باجی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ وغیرہم کی عبارات سے ایک ایک لفظ لے کر اس سے جو بات نکالنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اُن کی مراد ہے نہ مسلک۔ اس سلسلہ میں ہم ان عبارات کا تجزیہ کرتے ہیں۔

مشکل الآثار کی عبارت فتأملنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

المومنون تتکافؤ دماءھم فوجدنا اھل العلم جمیعاً لا یختلفون فی تاویل ذالک انہ علی التساوی فی القصاص والدیات وان ذالک ینفی ان یکون شریف علی وضیع فضل فی ذالک وان ذالک کان رداً علی اھل الجاھلیۃ فی ترکھم قتل الشریف یقتلہ الوضیع وفی ذالک ما قد عقلنا ان التساوی جری ذالک کالرجال ان الرجل یقتل بالمراۃ کما یقتل المراۃ بالرجل۔" (مشکل الآثار۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۔

(ترجمہ) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان" المومنون تتکافو!

دماءہم" مومنین کے خون آپس میں برابر ہیں۔ ہم نے غور کیا اور تمام اہل علم کو اس کی اسی تفسیر پر متفق پایا کہ یہ قصاص و دیت میں برابری کے لیے ہے[1]، یہ بات اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اونچ کو نیچ پر فضیلت ملے اسی میں اہل جاہلیت کی تردید ہے کہ وہ اونچے کو نیچے کے بدلے میں قتل نہ کرتے تھے۔ اس میں سے ہم نے یہ بھی سمجھا کہ عورت بھی اس سلسلے میں مرد کی طرح ہے۔ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔"

آپ اس ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور اس کے بعد اندازہ کریں کہ صرف ایک جملے "یہ قصاص و دیت میں برابری کے لیے ہے" سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اور مرد کی دیت کی مقدار میں برابری ہے۔ اگر یہ مطلب درست ہے تو کیا ان الفاظ کا اس کے ساتھ کوئی جوڑ ہے کہ "تمام اہل علم کو اس کی تفسیر پر متفق پایا"۔ ایسی صورت میں کیا ضروری نہ تھا کہ امام طحاوی ان لوگوں کی تردید کرتے جو صدر اول سے اس دور تک نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ پھر یہ مطلب اخذ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ امام طحاوی اس جملے کے بعد خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ اس چیز کی نفی ہے کہ اونچ کو نیچ پر فضیلت ملے اور اس میں اہل جاہلیت کی تردید ہے۔ بعد ازاں واضح طور پر تصریح کر دی کہ جاہلیت میں عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا تھا۔ اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا تھا اور اس میں اس نظریہ کی تردید ہے[2]۔ اگر عورت کی دیت بھی مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہوتی تو امام طحاوی ان الفاظ پر اکتفا نہ کرتے:

ان النساء فی جری ذالک کالرجال ان الرجل یقتل بالمراۃ کما یقتل المراۃ بالرجل۔ "عورتیں اس سلسلہ میں مردوں کی طرح ہیں۔ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ جس طرح عورت کو مرد کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔" بلکہ اس کے بعد یہ بھی بیان کرتے کہ:

---

[1] ذرا فرمایئے کہ مقدار دیت پر متفق ہونے والے اہل علم کون سے ہیں؟ (ا ن رحی)

[2] کیا یہاں بات صاف نہیں ہو گئی؟ (ا ن رحی)

"دیة المرأة کدیة الرجل لا تتنصف" عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے، آدھی نہیں ہے۔

سادہ الفاظ میں حدیث کا مفہوم جسے امام طحاوی بیان کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ قصاص کے قانون میں دورِ جاہلیت کے امتیازات کی اس حدیث سے نفی کی گئی ہے، دورِ جاہلیت میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں قصاص میں قتل کیا جاتا تھا، لیکن مردوں سے قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس سلسلہ میں ایک ایسا ضابطہ بنا دیا ہے جس میں چھوٹے، بڑے، طاقتور اور کمزور، مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ قتل کی ایسی صورت جس میں عورت سے قصاص لیا جائے گا۔ اس صورت میں مرد سے بھی عورت کے قتل کرنے پر قصاص لیا جائے گا۔ اور قتل کی ایسی صورت جس میں مرد سے دیت لی جائے گی عورت قاتلہ ہو تو اس سے بھی دیت لی جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ مرد سے تو دیت لی جائے اور عورت کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ رہی یہ بات کہ مرد سے عورت کی دیت کتنی دلوائی جائے گی تو یہ چیز زیرِ بحث ہی نہیں ہے۔ نہ متذکرہ حدیث میں اور نہ امام طحاوی کے کلام میں۔

ابو الولید باجی کی عبارت

ابو الولید باجی کی عبارت میں کاتب سے النصف متن کے الفاظ رہ گئے ہیں[1] جس سے ایک تو یہ بات نکالی گئی کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہیں۔ اور دوسری چیز یہ نکالی گئی کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے، لیکن اس پہ تنبہ تو اسی شخص کو ہو سکتا ہے، جو مسئلے سے واقف ہو۔ اس نے مختلف مصادر سے رجوع کر کے معلوم کیا ہو کہ یہ بات کہاں کہاں اور کس کس طرح بیان کی گئی ہے اور دوسرے قرائن کو بھی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:-

"قوله رضی الله عنه تعاقل المرأة الرجل الی ثلث الدیة اصبعها

---

[1] اغلاط، اندراج یا سہو کتابت سے استفادہ کرنا حدود ربہ کی کمزوری ہے۔ مگر آفرین ہے اہل علم کے لیے کہ انہوں نے ایسے مقامات کو بھی دیکھا اور ان کی کمزوری پر پہلے ہی گرفت کر لی۔

کاصبعه یرید ان ما دون ثلث الدیة عقلها فیه کعقل الرجل و هومعنی معاقلتها له حتی اذا بلغت فی عقل ما جنی علیها ثلث الدیة کان عقلها نصف عقل الرجل وبهذا قال من ذکرہ من التابعین وهوقول زید بن ثابت و ابن عباس وما روی عن ابن مسعود تساویها فی الموضحة و اختلف عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی عنهما باسناد ضعیف انها علی دیة الرجل فی القلیل و الکثیر وبه قال ابوحنیفة والشافعی وروی عنهما مثل قولنا (المنتقی ص ۶۸)

"امام مالکؒ کا قول ہے کہ عورت ایک تہائی دیت تک مرد کے برابر ہوگی، اس کی انگلی مرد کی انگلی کی طرح ہوگی اس سے مراد یہ ہے کہ ایک تہائی دیت سے کم میں عورت کی دیت مرد کی دیت کے ساتھ برابر ہوگی۔ عورت کی مرد کے ساتھ برابری کا یہی معنی ہے۔ جب اس پہ کی گئی زیادتی ایک تہائی دیت یا زیادہ کی ہوگی تو پھر اس کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہو جائے گی۔ جن تابعین کا امام مالک نے ذکر کیا ہے ان کا مذہب یہی ہے اور زید بن ثابت ابن عباس کا بھی اور ابن مسعود سے روایت کی گئی ہے کہ وہ زخم جو "موضحہ" ہو اس میں مرد اور عورت میں مساوات ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ایک ضعیف سند کے ساتھ یہ اختلافی روایت بھی ہے کہ قلیل و کثیر میں اس کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مسلک ہے اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ہمارے مسلک کے مطابق روایت بھی ہے۔"

"علی النصف من" "مرد کی دیت سے نصف" کے الفاظ چھوٹ جانے کے دلائل:

۱۔ ابوالولید باجی نے اسے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی کی ایک روایت نہیں بلکہ مسلک قرار دیا ہے اور یہ بات معلوم اور ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک نصف دیت ہے لہٰذا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی ایک روایت نصف دیت کی ہوگی، نہ کہ پوری دیت کی، ورنہ "به قال ابوحنیفه والشافعی" کہنا صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ وروی عنهما مثل قولنا "حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ہمارے مسلک کے

مثل روایت بھی کی گئی ہے۔" اس بات کا قرینہ ہے کہ دوسری روایت حنفی اور شافعی مسلک کے مطابق ہوگی۔

۳۔ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق مرد اور عورت کی دیت میں برابری ہوتی تو پھر "فی القلیل والکثیر" کے الفاظ نہ ہوتے، کیونکہ "قلیل وکثیر" میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ کہ ثلث تک مساوی اور ثلث کے بعد نصف ہے اور دوسرا یہ کہ قلیل وکثیر میں نصف ہے۔ اور قلیل وکثیر کا مسئلہ زخموں کی دیت میں آتا ہے، دیت قتل میں کثیر وقلیل کا تصور ایک عجوبے سے کم نہیں ہے۔ ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ زخم قلیل وکثیر ہوتا ہے لیکن قتل قلیل وکثیر نہیں ہوتا۔[1]

۴۔ جس طرح ابوالولید باجی نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، دوسرے مصادر میں بھی یہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

واخرج البیہقی بسندہ الی الشیبانی وابن ابی لیلیٰ وزکریا عن الشعبی ان علیا کان یقول جراحات النساء علی النصف من دیۃ الرجال فیما قل وکثر

ثم اخرج بسندہ الی حماد عن ابراہیم عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب انہما قالا عقل المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس وفیما دونہا" (ص۹۶/۸)

(ترجمہ) شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کہا کرتے تھے زخم تھوڑے ہوں یا زیادہ ان میں عورتوں کی دیت مردوں کی دیت سے آدھی ہے ...... ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے کہا عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے، چاہے قتل کی دیت ہو یا زخم کی۔"

بیہقی میں دوسرا قول یوں نقل کیا گیا ہے "وجراحۃ الرجال والنساء سواء الی الثلث" ص ۹۷ جلد ۸) "مردوں اور عورتوں کا زخم ایک تہائی تک برابر ہے"۔

۵۔ اگر مطلقاً عورت اور مرد کی دیت میں مساوات بیان کرنا ہوتی تو اس کے لیے "علیٰ" کا لفظ نہ آتا بلکہ "مثل" کا لفظ آتا اور عبارت یوں ہوتی "دیت المراۃ مثل دیۃ الرجل" ان وجوہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ متذکرہ عبارت میں "النصف من" کا لفظ کاتب سے رہ گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت یہ عبارت دراصل مشکل الآثار کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اس میں بھی اسی بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس صورت میں عورت کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور جس صورت میں مرد سے دیت لی جائے گی اسی صورت میں عورت سے بھی دیت لی جائے گی، نہ یہ کہ جاہلیت کی طرح عورت سے دیت وصول کرنے کی بجائے اُسے قتل کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ دَورِ جاہلیت میں قتل کی عمد، شبہ عمد اور خطا میں تقسیم نہ تھی، نہ ہی شبہ عمد اور خطا کی صورت میں دیت کا قانون جاری تھا، تاکہ یہ کہا جائے کہ دَورِ جاہلیت میں مرد کی پوری دیت لی جاتی تھی اور عورت کی آدھی۔ اور ظاہر ہے کہ "المومنون تتکافؤ دماؤھم"۔ میں مشکل الآثار کی عبارت، ابو الولید باجی کی عبارت اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت کے مطابق جاہلی نظام کی تردید تھی۔ جب دَورِ جاہلیت میں ایک چیز سرے سے موجود ہی نہ تھی تو "المومنون تتکافؤ دماؤھم" سے اس کی تردید کیسے ہو سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہ یہ جھوٹ بھی گھڑا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ بھی مرد اور عورت کی دیت میں برابری کے قائل ہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب نے بھی دوسرے علماء کی طرح عورت کے زخموں کی دیت میں دو مسلک نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"قلت علیه مالك وقال اکثر اهل العلم دیة المرأة نصف دیة الرجل ودیة اطراف المرأة وجراحاتها علی النصف من دیة الرجل" جلد ۲ ص ۲۷

"میں کہتا ہوں امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے (ایک تہائی تک برابر اور بعد میں تنصیف) اور اکثر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور عورت کے اعضا اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے"۔

اُمید ہے کہ ان گذارشات کی روشنی میں صاف دل اور راست بین اصحاب مغالطوں اور غلط فہمیوں کے چکر میں پھنسنے کے بجائے اصل حقیقت کو نہایت واضح طور پر پا لیں گے۔